ڈاکٹر عبدالقدیر خاں مرحوم

پروفیسر خورشید احمد

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ زندگی میں انسان بہت سے اُتار چڑھاؤ، صدمات اور خوشیوں کو قریب سے دیکھتا اور برداشت کرتا ہے۔ لیکن بعض واقعات اور حوادث اس قدر گہرے اور دُوررس اثرات کے حامل ہوتے ہیں کہ حیرت اور صدمے کے الفاظ ان کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ اس کیفیت میں بالخصوص اپنے دوستوں، رفیقوں اور محترم شخصیتوں کی جدائی بہت اذیت ناک ہوتی ہے۔

۱۰/اکتوبر ۲۰۲۱ء کو پاکستان کے مایہ ناز سائنس دان جناب عبدالقدیر خاں کا انتقال ہوا تو لوحِ ذہن پر واقعات وحوادث کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اُبھر آیا۔

یہ ۱۹۵۲ء کی بات ہے، جب میں اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کا ناظم تھا۔ تب، کھوکھراپار کے راستے، بے سروسامانی کے عالم میں بھوپال سے ہجرت کرکے آنے والے ایک دراز قامت طالب علم سے ملاقات ہوئی۔ جس کی شرافت، نجابت اور شائستگی کا نقش پہلی ملاقات ہی میں ثبت ہوگیا۔ یہ نوجوان طالب علم ڈی جے سائنس کالج میں ایف ایس سی میں زیرتعلیم تھا اور والدین واساتذہ کی دینی تربیت کے باعث، جمعیت کے رفقا سے قریب تر ہوگیا۔ آگے چل کر یہی نوجوان ڈاکٹر اے کیو خاں کے نام سے پاکستان کے جوہری پروگرام کا سرتاج بنا۔

اُس زمانے میں عبدالقدیر خاں کی وابستگی جمعیت کے اجتماعات میں شرکت، ہمارے ترجمان Student's Voice کی اشاعت وترویج، مستحق طالب علموں کی تعلیمی مدد اور سماجی سرگرمیوں میں ہم قدم ہونے تک تھی۔ اسی دوران ایک روز انھوں نے مجھ سے کہا: ''میں جمعیت کا رُکن بننا چاہتا ہوں''۔ میں نے اُن کے ذوقِ مطالعہ کو جاننے کے باوجود یہ کہا کہ ''نصاب رکنیت کی مزید کتب کا

مطالعہ کرلیجیے''۔ تاہم، بعد میں وہ تنظیم میں اور زیادہ آگے نہیں بڑھ سکے، لیکن جمعیت کی اجتماعی سرگرمیوں سے اپنے زمانۂ طالب علمی میں وابستہ رہے۔ تعلیم مکمل کرکے پہلے مقامی طور پر کراچی میں ملازمت کی اور بعد میں بیرونِ پاکستان چلے گئے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے احوالِ زندگی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن یہاں میں ان کے بارے میں ان کی زندگی کے چند ایسے اوراق پیش کرنا چاہتا ہوں، جو لکھنے والوں کی نظروں سے بالعموم اوجھل رہے ہیں۔ جنرل پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں سب سے پہلے ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر صاحب کو ایٹمی پروگرام سے متعلق قومی ادارے KRL کی سربراہی سے سبک دوش کرکے صدر کا مشیر مقرر کیا گیا۔ مگر ۳۱ جنوری ۲۰۰۴ء کو انھیں اچانک اس منصب سے الگ کرکے نظربند کردیا گیا، حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انھیں امریکا کے حوالے کیے جانے کی باتیں منظرعام پر آئیں۔

ڈاکٹر صاحب کو نظربند کرنے کے بعد، ان کے خلاف کردارکشی کی مہم چلائی گئی۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور کیسے ہوا؟ چونکہ یہ معاملہ بہت نازک ہے، اس لیے اپنی روایت سے ہٹ کر، سینیٹ آف پاکستان میں اپنی چند تقریروں کے اقتباسات، سینیٹ کے ریکارڈ سے پیش کر رہا ہوں، جن سے معاملے کی نزاکت کی تفہیم ممکن ہوسکے گی۔

○

● ۱۶ فروری ۲۰۰۴ء کو سینیٹ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا: ''یہ معاملہ محض چار فروری (۲۰۰۴ء) کو ڈاکٹر اے کیو خان کے ٹیلی وژن پر 'اعترافی بیان' کے عمل تک محدود نہیں ہے۔ آپ یہ دیکھیے کہ کس طرح ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر اے کیو خان کو ان کے منصب سے فارغ کرکے صرف مشیر کی نمایشی حیثیت دی گئی۔ تب یہ پہلا اشارہ تھا کہ ہوا کا رُخ کیا ہے۔ درحقیقت نائن الیون کی مناسبت سے معاملہ صرف یہی نہیں ہوا کہ اس کے چند روز بعد ہم نے اپنے ایئرپورٹ، زمینیں اور فضائیں امریکا کے لیے کھول دی تھیں بلکہ ہم نے امریکا کو موقع دیا تھا کہ ہماری ایٹمی صلاحیت کے بارے میں وہ جو کچھ ہم سے کہلوانا چاہتا ہے یا جہاں لے جانا چاہتا ہے، اس کے لیے ہم پر دباؤ ڈال سکے۔ یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوا۔ اس سے قبل 'ڈی بریفنگ' (De-briefing) کا معاملہ شروع

کیا گیا تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ڈی بریفنگ صرف جاسوسوں کی ہوتی ہے لیکن ہم نے اس اصطلاح کو اپنے ان محسنوں کے لیے استعمال کیا ہے، جو اس ملک کی سلامتی وخودمختاری اور اس کے دفاع کو مؤثر بنانے کے لیے ہر قیمت پر قربانی دیتے ہیں۔ پھر 'ڈی بریفنگ' کے اس نام نہاد عمل کو بھی ہم نے بالاقساط کیا۔ پہلے تو دو سائنس دانوں کو اُٹھایا اور کہا کہ ''اے کیو خان کی طرف کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا''۔ لیکن پھر جس شخص نے اس ملک پر سب سے بڑا احسان کیا اور جس نے اس کے لیے بڑی قربانیاں دیں، اس کو تسلسل سے تضحیک کا نشانہ بنایا گیا۔

یہ سارے اقدامات نہایت ہی اہانت اور ذلت آمیز طریقے سے کیے گئے۔ یہ مسئلہ اپوزیشن یا محض حکومت کا بھی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حکومت، فوج، پارلیمنٹ ہم سب کا مشترک معاملہ ہے۔ اس ملک کا تحفظ اور اس کی ایٹمی دفاعی صلاحیت کا تحفظ ہی نہیں اس صلاحیت کی ترقی بھی ہمارا مشترکہ ایجنڈا ہے۔ اس لیے کہ دفاعی صلاحیت ایک منجمد نہیں بلکہ متحرک تصور ہے۔ اس پر حالات کی مناسبت سے نظرثانی کرنی پڑتی ہے، وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے ہوئے اس کے لیے تحقیق و ترقی کا انتظام ناگزیر اور ضروری ہے۔ ظاہر ہے اس کے لیے سائنس دانوں کا تعاون اور ضروری وسائل کی فراہمی اور وہ تمام طریقے اختیار کرنا ضروری ہیں، جو دُنیا کی پابندیوں کے باوجود ہم نے اپنی آزادی، خودمختاری اور سلامتی کے تحفظ کے لیے ماضی میں بھی کیے ہیں اور آیندہ بھی کرنے پڑیں گے۔

یہ بڑی زیادتی اور بڑا ظلم ہے، جو آپ ان محترم سائنس دان کے ساتھ کر رہے ہیں۔ جو شخص باہر کی ایک بڑی تنخواہ چھوڑ کر اور اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر، اپنے ملک کو بچانے کے لیے آیا، وہ بلاشبہہ سائنس دانوں اور انجینیروں کی ایک ٹیم کا حصّہ ہے۔ اس ٹیم میں جو جوہری قائد تھے، ان کا نام ڈاکٹر اے کیو خان ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آپ ایک طرف اس کے منہ پر طمانچہ مارتے ہیں اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ یہ میرا 'ہیرو' ہے۔ یہ کون سا طریقہ ہے؟

میں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان اقدامات کے نتیجے میں فوجی قیادت اور عوام کے درمیان بے اعتمادی بڑھ رہی ہے۔ اے کیو خان اور ان کے ساتھی سائنس دان قوم کے ہیرو اور محسن ہیں۔ آج تک وژن یہ تھا کہ سائنس دان، اے کیو خان اور فوجی قیادت ساتھ ساتھ ہیں اور سب احترام

کی نظر سے دیکھے جارہے تھے لیکن آج آپ نے ان کے درمیان ایک تصادم پیدا کر کے پوری قوم کے سامنے اس وژن کو منتشر کر دیا ہے۔

● ۲۹؍اکتوبر ۲۰۰۴ء کو سینیٹ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا: ''۲۸؍اکتوبر ۲۰۰۴ء کے روزنامہ پاکستان آبزرور، [اسلام آباد] میں ڈاکٹر اے کیو خان پر فالج کے حملے کی بڑی پریشان کن خبر شائع ہوئی ہے اور جو تفصیلات ہمارے سامنے آئی ہیں، وہ یہ ہیں کہ عظیم ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر اے کیو خان متعدد خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہیں اور گذشتہ سات ماہ سے اپنے گھر پر نظر بند ہیں۔ انتہائی ہائی بلڈ پریشر اور شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہیں اور ان کا ۳۲ پونڈ وزن کم ہوگیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ایک قومی اثاثہ اور ہمارے محسن ہیں۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ ان پر کیا الزامات لگائے گئے ہیں اور ان الزامات کی حقیقت یا پس منظر کیا ہے اور کون کیا کھیل کھیل رہا ہے؟ اس وقت میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارا ایک بہت بڑا قومی اثاثہ ہیں اور اس کو اس طریقے سے نظر بند رکھنا اور معقول علاج معالجے کی سہولتیں نہ دینا، ایک قومی جرم ہوگا۔ اس لیے دردمندی کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم یہ مسئلہ پارٹی سیاست سے بالاتر ہوکر اُٹھائیں۔ بلکہ یہ کہوں گا کہ اسے پوری اُمت مسلمہ کے ایک مسئلے کے طور پر لیں، اس لیے کہ ڈاکٹر خان صرف پاکستان کا نہیں پوری اُمت مسلمہ کا اثاثہ ہیں۔

ماضی میں جو کچھ ہوا، وہ اپنی جگہ، لیکن ان کی جان بچانا، ان کو مناسب سہولتیں دینا، اور حبس اور گھٹن کی کیفیت سے نکالنا جس میں وہ گرفتار ہیں، ہماری ذمہ داری ہے۔ میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ حکومت اس معاملے کو سنجیدگی سے لے اور قوم کے جذبات کا احترام کرے۔ بیرونی حکومتوں کے اپنے مفادات ہیں۔ جوہری افزودگی کے حوالے سے کس کس نے کیا کیا ہے، یہ آپ کو معلوم ہے۔ اب تو یہ بات بھی سامنے آگئی ہے کہ بھارت اس میں ملوث ہے۔ دوسری جانب آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ جنوبی کوریا اپنے وسائل سے اس کام کو کر رہا ہے لیکن ایک خاص سکینڈل کے ذریعے جنوبی کوریا کے ساتھ ہمیں ملوث کیا جارہا ہے۔ تاہم، میں مطالبہ کروں گا کہ حکومت اس ایوان میں ہمارے سامنے سارے حقائق رکھے۔

● ۱۲ مئی ۲۰۰۶ء کو سینیٹ میں مَیں نے یہ بیان دیا: ''میں ایک نہایت ہی اہم قومی مسئلے

کے بارے میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس مسئلے کا تعلق پاکستان اور اُمت مسلمہ کے محسن ڈاکٹر اے کیوخان سے ہے۔ اس سلسلے میں ان کو بار بار کی تفتیش، تذلیل اور سیکورٹی کے نام پر ان کے سماجی، خاندانی تعلقات، ان کی ملاقاتیں، حتیٰ کہ اپنی اولاد اور ان کی نواسیوں تک سے ملاقات کو روکا جارہا ہے۔ پھر یہ اطلاع آئی کہ ان کو دھمکایا گیا ہے کہ آپ کو قیدِتنہائی میں ڈال دیا جائے گا اور پھر گیسٹ ہاؤس کے گیٹ کے پاس، ایک کمرہ خصوصیت سے اس طرح سے بنایا گیا کہ وہ کسی جیل خانہ سے کم نہیں۔ وہاں وہ اپنی بیوی کے ساتھ بھی نہیں رہ سکتے۔ یہ ساری چیزیں ہورہی تھیں کہ پھر یہ اطلاع آئی کہ ان کو ہسپتال لے جایا گیا ہے۔

حکومتی ترجمان نے کہا ہے کہ ''ہم نے ڈاکٹر اے کیوخان کی رہایش کے باہر جو مشین لگائی ہے یہ ان کی حفاظت کے لیے ہے'' اور یہ کہ ''ان سے ملنے کے لیے کوئی نہیں آسکتا''۔ مزید یہ کہ ''بیوی اور شوہر وہاں رہ رہے ہیں اور ان سے صرف ان کی بیٹی مل سکتی ہے''۔ سوال یہ ہے کہ نواسی کو کیوں نہیں آنے دیا جاتا۔ کیا وہ اپنے نانا کو مارنے کے لیے کوئی اسلحہ، کوئی ہتھیار لائے گی؟ چلیے میں سیکورٹی کے لیے نگرانی کے ایک نظام کی ضرورت مان لیتا ہوں، لیکن مسئلہ ہے ملاقاتوں سے منع کرنے کا، ذہنی اذیت اور قیدِتنہائی کا اور طرح طرح کی ان دھمکیوں کا جو ڈاکٹر صاحب کو دی جارہی ہیں۔

یہاں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جناب جنرل پرویز مشرف نے دی گارڈین [لندن] کو دیے گئے اپنے انٹرویو میں سرعام یہ بات کہی ہے کہ ''اے کیوخان کا مسئلہ ختم ہوگیا''۔ اس سے پہلے انھوں نے یہ بات کہی ہے کہ ''ان پر صرف ملک سے باہر جانے پر پابندی ہے، ملک میں نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں ہے''۔ [فوجی ترجمان] شوکت سلطان صاحب نے یہ بات بھی کہی ہے کہ ''ان کے اعزہ ان سے مل سکتے ہیں''، لیکن میں یہ بات پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ ان کے قریبی اعزہ، حتیٰ کہ ان کی بہن اور بھائی تک کو ملنے نہیں دیا گیا۔ گذشتہ دنوں جب ایک اور سائنس دان ڈاکٹر فاروق کو سپریم کورٹ کے حکم کے تحت رہا کیا گیا ہے تو ان کو بھی اپنے گھر میں نظربند کردیا گیا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ ''اب یہ باب بند ہوچکا ہے''، لیکن فی الحقیقت جو دباؤ، اذیت اور جو سلوک ان لوگوں کے ساتھ کیا جارہا ہے وہ ایک قومی ذلّت ہے۔

بلاشبہہ ایٹمی ہتھیار کی تیاری ایک ٹیم کا کام تھا۔ اس میں کسی کو انکار نہیں ہے، سب کا حصّہ

ہے اور اسی لیے ہم تمام سائنس دانوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کارنامہ ڈاکٹر اے کیو خان کی سربراہی میں ہوا ہے۔ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ کس نے وہ نیا طریقہ ڈیزائن کیا اور اس ملک کو دیا۔جس پروسیس کو امریکا نے اکیس سال میں حاصل کیا تھا، اس کی ٹیم نے سات سال میں کر کے اس قوم کو دے دیا۔ ایسے فرد اور اس جیسے افراد کی آج بھی ہمیں ضرورت ہے اور کل بھی ہوگی۔

خدا کے لیے امریکا پر بھروسا نہ کیجیے۔ امریکی وزیر خارجہ کونڈو لیزا رائس نے کانگریس کی کمیٹی کے سامنے اپنے بیان کے اندر صاف الفاظ میں یہ کہا کہ ''ہم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ پاکستان کے جوہری اثاثے کبھی بھی کسی ایسے ہاتھ میں نہیں جاسکتے، جو اسے غلط استعمال کر سکے''۔ میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ امریکا کو کیا حق ہے اس بات کا اور امریکا کا یہ دعویٰ کہ ''ہم نے یہ یقینی بنایا''۔ پاکستان کا اپنا 'کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم' ہے اور وہ اچھا ہے اور اسے آیندہ بھی محفوظ ترین ہونا چاہیے لیکن امریکا کا یہ دعویٰ کرنا، بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ان حالات کے اندر میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر اے کیو خان کے ساتھ جو کچھ کیا جارہا ہے، وہ کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔خدا کے لیے وہ راستہ اختیار کیجیے جو قومی غیرت ہی نہیں قومی تحفظ اور سلامتی کا تقاضا ہے۔

میں یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اے کیو خان کو دی جانے والی سہولتوں کے بارے میں جو دعویٰ کیا گیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔اخبار میں جو خبر آئی ہے وہ کچھ اور بتاتی ہے۔آج کے نوائے وقت میں حکومت کی طرف سے جو ایک سطری تردید دی گئی ہے کہ اے کیو خان پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے، میں اس کو چیلنج کرتا ہوں اور مطالبہ کرتا ہوں جناب چیئرمین! کہ آپ کی سربراہی میں یا ڈپٹی چیئرمین کی سربراہی میں وسیم سجاد، ایس ایم ظفر، میاں رضا ربانی اور مجھے موقع دیا جائے کہ ایک وفد کی صورت میں ہم جا کر اے کیو خان سے ملیں اور پوچھیں کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، اور اس ہاؤس کو آکر بتائیں کہ صورتِ حال کیا ہے؟ خبر کی جھوٹی تردید اسی طرح کی جارہی ہے، جس طرح امریکا نے وزیرستان پر حملہ کیا اور ہمارے ترجمان نے تحقیق کے بغیر یہ کہتے ہوئے تردید کر دی کہ نہیں یہ پاکستان کی سرزمین پر نہیں ہوا، جب کہ پولیٹیکل ایجنٹ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ پاکستان کی سرزمین پر ہوا ہے۔ یہی معاملہ اے کیو خان کے حوالے سے بھی ہو رہا ہے۔ میں چیلنج کرتا ہوں کہ تردید غلط ہے

اور مطالبہ کرتا ہوں جناب چیئرمین، کہ آپ کی سربراہی میں ہم جانا چاہتے ہیں تاکہ انھیں ملیں اور دیکھیں کہ کیا پوزیشن ہے اور ایوان کو بتائیں اور اس طریقے سے اپنے ملک میں اپنے محسنین، اپنے سائنس دان جو پوری اُمت مسلمہ کا سرمایہ ہیں، ان کی حفاظت میں اپنا کردار ادا کریں۔

● ۲ جون ۲۰۰۶ء کو سینیٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا: جناب چیئرمین! آپ کی اجازت سے میں اس اہم قرارداد کو پیش کر رہا ہوں۔ یہ قرارداد مشترکہ طور پر سینیٹر سعدیہ عباسی، سینیٹر وسیم سجاد، سینیٹر مشاہد حسین، سینیٹر میاں رضا ربانی، سینیٹر لیاقت بنگلزئی، اور میری [خورشید احمد] طرف سے پیش کی جارہی ہے:

> یہ ایوان امریکی ایوانِ نمایندگان کے بعض ممبروں کی اس غیرضروری رائے زنی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جس میں انھوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں پوچھ گچھ اور تفتیش کے لیے مطالبہ کیا ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو امریکا کے حوالے کیا جائے۔
>
> ہم اس اقدام کو پاکستان کی خودمختاری اور سالمیت کی صریح خلاف ورزی اور اپنے معاملات میں مداخلت قرار دیتے ہیں۔ پاکستان کا جوہری پروگرام ہمارے دفاع کے لیے انتہائی ضروری ہے اور کسی کے خلاف نہیں ہے۔ مزید یہ کہ پاکستان ایک ذمہ دار ایٹمی ریاست ہے اور بین الاقوامی سیاست میں اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح آگاہ ہے۔
>
> ہم ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور دیگر سائنس دانوں کی کردارکشی کی واضح الفاظ میں مذمت کرتے ہیں، جس کا مقصد پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ پاکستانی قوم ایٹمی ٹکنالوجی، ہتھیاروں کی تیاری اور توانائی کی سیکورٹی کے میدان میں قابلِ ذکر پیش رفت کے لیے اپنے سائنس دانوں کی مقروض ہے۔ تمام پاکستانی، اپنے سائنس دانوں کو احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

یہ پوری پاکستانی قوم کے جذبات ہیں اور میں اپنے تمام ساتھیوں کا بے حد ممنون ہوں کہ سینیٹ قوم کے ان جذبات کو زبان دے رہی ہے۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہم دنیا کے تمام ممالک سے دوستی اور تعاون کا تعلق رکھنا چاہتے ہیں لیکن عزّت کے ساتھ اور اپنی آزادی اور اپنی ریاست کی خودمختاری کے مکمل تحفظ کے ساتھ۔

امریکا نے جو یہ رویہ اختیار کیا ہے کہ وہ جس کی چاہتا ہے ٹانگ کھینچتا ہے، جس کی چاہتا ہے بےعزّتی کرتا ہے، جس ملک کی چاہتا ہے، خودمختاری کے خلاف اقدامات کرتا ہے اور پاکستان میں باجوڑ ہو یا ہمارے دوسرے علاقے ہوں، ان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرتا ہے اور پاکستان پر دباؤ ڈالتا ہے۔

اس قرارداد کی صورت میں سینیٹ ایک بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہا ہے۔ یہ اپنے سائنس دانوں کی عزّت، حفاظت اور اپنی خودمختاری کی حفاظت اور اعلان ہے کہ ہم ان معاملات کے اندر کسی کو مداخلت کرنے یا اپنے حقوق میں دست اندازی کرنے کا موقع نہیں دیں گے اور پوری دنیا کے مسلمان بلکہ پوری دنیا کے عوام اس استعماری کوشش کی مزاحمت کریں گے۔

سینیٹ کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے، بلکہ میں کہوں گا کہ پورے ملک کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے میں نے اس قرارداد کو پیش کیا ہے۔

● ۹/اگست ۲۰۰۶ء کو سینیٹ میں، مَیں نے پھر توجہ دلائی: ''آج جس طرح امریکا کے کہنے پر ہم نے اپنے نیوکلیئر سائنس دانوں کو تنگ کیا ہے، وہ شرمناک حرکت ہے۔ ڈاکٹر اے کیوخان کے ساتھ جو مظالم کیے جارہے ہیں، یہ کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہے۔ اور جناب والا! آپ کو یاد ہوگا کہ اسی ایوان میں، مَیں نے اور میرے ساتھیوں نے اس مسئلے کو اُٹھایا تھا اور یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے وفد کو ڈاکٹر اے کیوخان سے ملنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن آج تک یہ موقع نہیں دیا گیا۔ اس دوران اگرچہ دوبار میں اس کے لیے خط بھی تحریر کرچکا ہوں۔ اسی طرح ایران کو تنگ کیا جارہا ہے۔ یہ سارے کا سارا سامراجی کھیل ہے۔ اس کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ آج پوری دنیا میں امن کی جو تحریک ہے، وہ مکمل طور پر ایٹمی ہتھیاروں کے خاتمے کی تحریک ہے۔ اس پر عمل نہ ہو تو سب کو مواقع ملنے چاہییں اور کسی کی بالادستی اور اجارہ داری برقرار نہیں رہنی چاہیے۔

● ۱۸ستمبر ۲۰۰۶ء کو سینیٹ کے اجلاس میں، مَیں نے یہ اذیت ناک صورتِ حال بیان کی: ''آغا خان ہسپتال کراچی میں، جہاں ڈاکٹر اے کیوخان کا آپریشن ہوا ہے، وہاں مجھے انھیں دیکھنے کے لیے سیکورٹی ایجنسیوں نے اجازت دینے سے انکار کیا۔ اگرچہ یقین دلایا گیا تھا کہ

ڈاکٹر خان کو دیکھنے اور اپنی اور سینیٹ میں میرے ساتھیوں کی جانب سے دُعائیں اور نیک تمنائیں پہنچانے کے لیے خصوصی اجازت دے دی گئی ہے۔ اور یہ کہ میں ۱۴ ستمبر کو صبح گیارہ بجے ڈاکٹر خان سے مل سکتا ہوں۔ میں گیارہ بجے سے دس منٹ قبل ہسپتال پہنچ گیا تھا۔ یہاں استقبالیہ میں ایک گھنٹہ ۲۵ منٹ میں نے انتظار کیا، لیکن اس عرصے میں سینیٹ سیکرٹریٹ کی کوششوں کے باوجود کچھ حاصل نہیں ہوا، اور مجھے ڈاکٹر خان کو محض پھولوں کا گلدستہ بھجوانے کے بعد واپس آنا پڑا۔ بہرحال، میں نے ڈاکٹر خاں کی صاحبزادی سے ملاقات کر کے ان تک اپنی دُعائیں اور ساتھیوں کی نیک تمنائیں ڈاکٹر خان کے لیے پہنچائیں۔ ڈاکٹر خان کی صاحبزادی اور خود ڈاکٹر خان مایوس تھے، کیونکہ وہ مجھ سے ملاقات کی توقع کر رہے تھے۔ یہ سلوک نہ صرف ایک ذہنی اذیت کا باعث ہے بلکہ اس کے ذریعے ان تمام انتظامات کو سبوتاژ کیا گیا، جو اس ملاقات کے لیے کسی اور کے نہیں بلکہ ملک کے قائم مقام صدر [محمد میاں سومرو] کے تعاون سے کیے گئے تھے۔

جناب چیئرمین! میں اپنی اس تحریک استحقاق میں صرف اتنا اضافہ کروں گا کہ ڈاکٹر اے کیو خان میرے ذاتی دوست ہیں اور میرے ان کے اُس وقت سے روابط ہیں، جب وہ طالب علم تھے اور ہندستان سے آنے کے بعد میرے چھوٹے بھائی کی حیثیت سے ڈی جے کالج میں پڑھ رہے تھے۔ ان کے یورپ میں قیام، پاکستان واپسی اور پھر آنے والے دنوں میں اس ملک کے لیے انھوں نے جو عظیم خدمات انجام دیں، اس پورے زمانے میں ہمارے بڑے گہرے اور اعتماد کے مراسم رہے۔ اگر آپ نے آج کے اخبار *The Nation* میں جنرل زاہد کا مضمون پڑھا ہو تو انھوں نے ہماری ایٹمی صلاحیت کی پوری کہانی بیان کی ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ ''ہمیں یہ جو استعداد حاصل ہوئی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس شخص کو یہ توفیق نہ دیتا تو ہم کبھی حاصل نہیں کر سکتے تھے''۔ انھوں نے کہا ہے کہ ''میں (جنرل زاہد) اس پورے معاملے میں شروع سے لے کر آخر تک وابستہ رہا ہوں اور ان (ڈاکٹر عبدالقدیر خاں) پر جو الزامات لگائے جارہے ہیں، ان میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ اس ساری بات کو ہر ہر مرحلے پر پیش نظر رکھنا انتہائی اہم ہے''۔

اس وقت ہمارا وہ محسن [اے کیو خاں] کینسر کے مرض میں مبتلا ہے۔ اس ایوان نے ایک بار نہیں، کئی بار ان کی رہائی کا مطالبہ اور اس کی صحت یابی کے لیے دُعا بھی کی ہے۔ اسی پس منظر میں

آپریشن کے بعد میں ان سے ملنے کے لیے جانا چاہتا تھا۔ میں چیئرمین سینیٹ، جناب محمد سومرو صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس سلسلے میں ذاتی دلچسپی لی اور خود ٹیلی فون کیا۔ لیکن جناب والا! اس موقع پر یہ سوال اُٹھانا ضروری ہے کہ ملک میں کس کی حکومت ہے؟ صدر کی یا ایجنسیوں کی؟ میری جانب سے درخواست کے بعد سینیٹ کا سٹاف چوبیس گھنٹے کوشش کرتا رہا اور یہ ایک اُمید وبیم کی کیفیت تھی۔ بالآخر، رات سوا بارہ بجے مجھے ٹیلی فون آیا کہ ہم آپ کو ناوقت تکلیف دے رہے ہیں، ہمیں ابھی اطلاع ملی ہے کہ اجازت مل گئی ہے۔ آپ صبح چلے جائیے اور گیارہ بجے کے بعد آپ کی ملاقات ہوجائے گی۔ اور جیسا کہ پہلے بھی بتاچکا ہوں کہ میں دس منٹ کم گیارہ پر وہاں پہنچ گیا اور ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کیا۔ دوسری جانب یہ اطلاع بھی موجود تھی کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں میرا انتظار کررہے تھے۔ ان کی بیٹی میرے انتظار میں وہیں موجود تھی۔ اس کے ساتھ ہی جنرل چوہان بھی ان کے پاس بیٹھے میرا انتظار کررہے تھے، لیکن ان متعلقہ ذمہ داران اور ان کے عملے نے ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کرا کر بھی مجھے ملنے کا موقع نہیں دیا۔

جناب والا! میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی ذات کے بارے میں، اپنی سولہ سال کی سینیٹ کی ممبرشپ میں کبھی بھی میں نے کوئی تحریکِ استحقاق پیش نہیں کی ہے۔ اگر تحریکِ استحقاق پیش کی ہیں تو مسائل پر کی ہیں اور ان پر کی ہیں جن کی وجہ سے سینیٹ کے قواعد کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ آج میں سینیٹ کے ساتھ ساتھ یہ ذاتی استحقاق کی خلاف ورزی بھی پیش کررہا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ سینیٹ کو اسے سنجیدگی سے لینا چاہیے۔ یہ اس ایوان کی خودمختاری، اس کے وقار اور اس کے اختیار کا مسئلہ ہے۔ انٹیلی جنس ایجنسیاں یا ان کے بڑے ہوں یا چھوٹے، میں سب کی عزّت کرتا ہوں، لیکن اگر ان کا یہ اختیار ہے کہ وہ صدر کے احکام کو نہ مانیں، اجازت دینے کے بعد اس پر عمل نہ کریں، تو پھر کون کہاں سے انصاف حاصل کرے گا؟

○

سینیٹ کے ریکارڈ سے یہ جو چند اوراق پیش کیے گئے ہیں، ان میں جنرل پرویز مشرف کے عہدِ حکومت کے کچھ پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ بہرحال ڈاکٹر صاحب نے اپنی پوری زندگی پاکستان کی خدمت کے لیے وقف کردی، اور اتنی حساس ذمہ داری کی ادائیگی کے نتیجے میں اپنی

آزادی سے دست بردار ہونا پسند کرلیا، مگر قوم کی آزادی کے تحفظ کے لیے ایٹمی پروگرام کو ایک رُخ دینے میں کامران رہے۔

ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ایک المیہ تو یہ بھی ہوا کہ جب مئی ۱۹۹۸ء میں کامیاب ایٹمی دھماکے کیے گئے تو اُس وقت وزیراعظم محمد نواز شریف صاحب نے اچانک انھیں پس پردہ دھکیل دیا، جس کا سبب ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ نواز شریف صاحب نے محسوس کیا ہوگا یا اُن کے کسی مشیر نے ان کے دماغ میں یہ بات بٹھادی ہوگی کہ قوم مجھے متبادل لیڈر کے طور پر کہیں قبول نہ کربیٹھے۔ اسی حفظِ ماتقدم کے طور پر نواز شریف صاحب نے اچانک ڈاکٹر صاحب کا بلیک آؤٹ شروع کر دیا، جس پر قوم، ذرائع ابلاغ اور ہر سوچنے سمجھنے والا فرد حیران و پریشان تھا۔ بعدازاں، فوجی حاکم پرویز مشرف صاحب نے جو کچھ کیا، اس کا احوال اُوپر اشاروں کنایوں میں بیان کیا جاچکا ہے۔

زندگی کے آخری زمانے میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنی پوری توجہ تعلیم، صحت اور رفاہِ عامہ کے کاموں کے لیے مختص کردی تھی۔ پھر حددرجہ افسوس ناک یہ منظر ہم نے دیکھا کہ اُن کے دمِ واپسیں صدر، وزیراعظم اور مسلح افواج کے چیف تک جنازے میں نہ آئے۔ اس طرزِ عمل کا کیا مطلب لیا جائے؟ کیا ہم سوال کرسکتے ہیں کہ یہ کس کی ہدایت تھی یا کس کا خوف تھا؟